۱۹۷۱ء

زیورِ شاہدِ اسلام ہے انساں ہونا
عملِ خیر کا انجام ہے انساں ہونا
کارناموں سے بڑا کام ہے انساں ہونا
دین کا حاصلِ پیغام ہے انساں ہونا

رنگِ آدم کا نسب میں ہے نہ بو آدم کی
ابنِ آدم ہے وہی، جس میں ہو خُو آدم کی

آدمی وہ نہیں دراصل جو ہو آدم زاد
عقل اور عشق ہیں انساں کی اساس و بنیاد
عقل سے پائے بشر معرفتِ حق کی مراد
عشق سے ذوقِ عبادت، خلشِ حقِ عباد

عقل سے فرقِ حقیقی و مجازی سیکھے
عشق سے بندگی و بندہ نوازی سیکھے

عقل کے پانو سے طے کرکے دو عالم کے طبق
عشق کے ہاتھ سے تحریر کرے دل کا ورق
عقل کی آنکھ سے کرتا ہُوا نظارۂ حق
عشق کے کان سے رہ رہ کے سنے غم کا سبق

عقل سے مُلکِ طلب فتح کرے مَرد بنے
عشق کے فیض سے فیّاض ہو ہمدرد بنے

عقل کے نور سے ہر سُود و زیاں پر ہو نظر
عشق اُس سُود و زیاں سے ہو بہت بالاتر
عقل تجدید و تجدّد کی بنے راہ گزر
عشق قائم رہے ہر حال میں اک حالت پر

عقل ہو فکر بسر، فکر کی بنیاد ہو عشق
عقل حالات کی پابند ہو آزاد ہو عشق

عقل ہو مصحفِ تدبیر و تدبّر کا وَرَق
عشق تلقینِ عقیدت کا دل افروز سَبَق
عقل جذبات میں ناحق کو نہ ٹھہرائے حق
عشق وجدانِ حقائق کا ہو ذوقِ مطلق

عقل کو جادۂ بینش میں پس و پیش نہ ہو
عشق ہو مُصلحِ کُل مصلحت اندیش نہ ہو

عقل ہو فاتح ابواب رموزِ قدرت
عشق ہر باب سے ہو داخلِ قصرِ عظمت
عقل ہو دل کی گرہ عشق ہو دل کی بہجت
عقل ہو سعی و طلب عشق خمیرِ فطرت

عقل کو نور ملے عشق کی تنویروں سے
عقل اقدار سے واقف ہو یہ تقدیروں سے

عقل ہو جز و مزاج اور ہو عشق آب و گل
وہ تفکر یہ تاثر وہ دماغ اور یہ دل
عقل دل کی حرکت عشق اسی کا حاصل
عقل ہو راہ نما عشق حصولِ منزل

عقل ادراک ہو احساس کی طغیانی کا
عشق احساس ہو کیفیتِ روحانی کا

نہ فقط عقل کی اینٹیں ہوں بناتے مسکن
نہ فقط عشق کے غنچے ہوں بہارِ گلشن
جامہ زیبِ تنِ فطرت ہے وہی پیراہن
عقل اور عشق بہم جس کے ہوں چولی دامن

رشتۂ عزم سے ہر بند بندھے یوں کس کے
نہ تو دامن ہی لٹک جائے نہ چولی مسکے

عقل جلوت بنظرِ عشق ہو خلوت بکنار
عقل ہو عینِ نظر، عشق نگاہِ سرشار
عقل ہو قافلۂ عشق کے جادے کا غبار
ناقۂ عشق کی ہو عقل کے ہاتھوں میں مہار

عشق نبلائے خطِ عقل کی پرکار ہے کون
عقل تجویز کرے عشق کا حقدار ہے کون

عقل مخلوق سے تا ہستیٔ خالق ہو رسا
عشق خالق سے ہو مخلوق کے دل میں القا
عقل فرمائے، سب اس کے ہیں جو رب ہے سب کا
عشق کی سب پہ عنایت ہو بنامِ مولا

دہر ہے آبِ رواں جو بھی پیے۔ پینے دو
خود بھی دنیا میں جیو غیر کو بھی جینے دو

سب کو دیتا ہے وہ روزی وہ ہوں اچھے کہ بُرے
پیٹ بھرنے کے لیے پیٹ میں بھونکو نہ چھُرے
نہ کرو تلخ کلامی سے اَرے اور ترے
نیک و بد سب ہیں یہاں ایک ہی گاڑی کے دُھرے

اپنی اولاد کو جب رزقِ مقدر بخشو
شربت و شیر کا قاتل کو بھی ساغر بخشو

جس میں اس زاویۂ فکر سے ہو خوئے کرم — بس وہی وارثِ آدم ہے نہ تم اور نہ ہم
وہی انساں ہے وہ انسان، ملک جس کے خدم — ہے مثال اس کی مگر بزمِ کم و کیف میں کم
صور ہو جس کا نفس حشر اٹھانے کے لیے
آپ مر جائے جو مُردوں کو جلانے کے لیے

سب کی قیمت وہ اسی ایک نظر سے آنکے — نوکِ مژگاں سے بھرے زخم میں سجے ٹانکے
غیر کی دولت و نعمت کو نہ تاکے جھانکے — زر لٹاتا رہے، اور آپ بھنے جو پھانکے
خوں میں گرمی کی جگہ سوز ہو پروانوں کا
دل میں نقطے کے عوض درد ہو انسانوں کا

شوکت و حشمت و جاہ و حشم و دولت و مال — فرق و جان و جسد و مسکن و ناموس و عیال
بہرِ بہبودِ بشر اس کا ہو سب کچھ پامال — سنگِ غم سے نہ پڑے آئنۂ قلب میں بال
نفس سے لڑکے جو یوں دہر پہ چھا جاتا ہے
ایسے انسان کو انسان کہا جاتا ہے

راہ پُرخار ہے انسان کا انساں ہونا — تیغ کی دھار ہے انسان کا انساں ہونا
سخت دشوار ہے انسان کا انساں ہونا — رسن و دار ہے انسان کا انساں ہونا
کس میں ہمت ہے کہ یوں خلق کی خاطر سر دے
سرِ نیزہ ہو اور انسان کا سر اونچا کر دے

یہ بنی نوع کی امداد کا جذبہ یہ عطا — ابنِ زہرا کا مقدر ہے بتوفیقِ خدا
عہدِ طفلی میں بھی ایثار کا یہ عالم تھا — آپ بھوکے رہے بھوکوں کو کھلایا کھانا
ان کا مخصوص ہے دَر فقر کی شاہی کے لیے
بل اتیٰ آیا ہے قرآں میں گواہی کے لیے

پانچ چھ سال کے سن میں یہ کرم عالمگیر — شیرِ مادر کا اثر، خونِ پدر کی تاثیر
خلق جب روزِ ازل انکے ہوئے قلب و ضمیر — آبِ رحمت میں گندھا جذبۂ خدمت کا خمیر
کہتے تھے غیر بھی سُن سُن کے کہانی ان کی
جب یہ بچپن ہے تو کیا ہوگی جوانی ان کی

سب کو تھی جس کی تمنا وہ جوانی آئی
دردمندی کا شباب اپنے جلو میں لائی
اُموی دَور نے انسانوں پہ آفت ڈھائی
بہرِ امداد اُٹھے عزم نے لی انگڑائی
کربلا کو انہیں تاریخ نے جاتے دیکھا
راہ میں قاتلوں کی پیاس بجھاتے دیکھا

بھول سکتا نہیں ماضی یہ بھیانک منظر
بچے ہمراہ، کڑے کوس، پہاڑوں کا سفر
قطرۂ آب، نہ تالاب، نہ سایہ، نہ شجر
ہر طرف ریت بھبکتی ہوئی تا حدِ نظر
ساتھیوں سے بھی ہے کم ساتھ ہے جتنا پانی
اتنے سارے رفقاؑ اور فقط اتنا پانی

کرۂ نار تھا صحرا تو جہنم تھی فضا
خوفِ حدت سے تھی روپوش حبابوں میں ہوا
ایسے عالم میں مِلا حر کا رسالہ پیاسا
قطرے قطرے کو ترستے تھے وہ محرومِ وفا
صبح سے تھا نہ میسر اُنہیں آیا پانی
موت کے گھاٹ بھی اترے تو نہ پایا پانی

جانے پہچانے ہوئے گو کہ وہ تھے دشمنِ جاں
بندہ پرور کی نگاہوں میں تھے پھر بھی انساں
دیکھ کر ہو گئے بے چین امامِ دو جہاں
قلزمِ دل میں اٹھے رحم و کرم کے طوفاں
مڑ کے فرمایا۔ اخی خدمتِ احباب کرو
بھائی عباسِ دلاور اِنھیں سیراب کرو

وہ تو ہر حکم کی تعمیل پہ باندھے تھے کمر
قافلہ روک کے سقّوں کو ندا دی بڑھ کر
عرض کی اور رفیقوں نے کہ زہرا کے پسر
ساتھ بچوں کا ہے۔ پانی نہ لٹائیں سرور
یہ جو مرتے ہیں، عطش سے تو بلا سے مرجائیں
خون کے پیاسے ہیں یہ خوب ہے پیاسے مرجائیں

بھر کے اک آہِ جگر سوز پکارے شہِ دیں
یہ اگر خون کے پیاسے ہیں تو ہوں میں تو نہیں
میرے بچوں کی طرح ان میں بھی ہے۔ جانِ حزیں
حق کے جلوے ہیں عیاں ان کی بھی شہ رگ کے قریں
یہ بجا ہے کہ یہ سب ظالم و گمراہ تو ہیں
اِن کا فعل اِن کے لیے بندۂ اللہ تو ہیں

ہو گئے سُن کے یہ خاموش جو وہ رتبہ شناس کھول کر مشکوں کے تسمے یہ پکارے عباس
آؤ اے بھائیو پانی سے بجھا جاؤ پیاس میرِ کوثر کا یہ صدقہ ہے پیو بے وسواس
جلد پی لو کہ عطش سے نہ بنے جانوں پر
وقف ہے فاطمہ کا مہر مسلمانوں پر

سن کے یہ پھول کی صورت ہوئے پیاسے شاداب گردِ مشکوں کے بہم بیٹھ گئے شیخ و شاب
پیاس اعدا کی بجھانے لگے انصارِ جناب ریگِ صحرا پہ برسنے لگا رحمت کا سحاب
یوں نہ برسات میں بادل کبھی پیہم برسا
جھوم جھوم ابرِ کرم خوب جھما جھم برسا

دیر سے لُو کے تھپیڑوں میں جو تھے تشنہ دہن ٹوٹے پڑتے تھے پیالوں پہ وہ سب عہد شکن
تھا ہر اک بار یہ ارشادِ شہنشاہِ زمن بھائیو جام ہیں کم اُوکھ سے پی لو فوراً
علی اکبر ادھر آؤ یہ پیالے بھر دو
ایک ہی جام پیا ہے ابھی دو ساغر دو

وہ اک انبوہِ گراں اور اِدھر چند نفر دیے جاتے ہیں یہ بھر بھر کے برابر ساغر
جام ملنے میں جو ہوتا ہے توقف دم بھر پیاس سے لوٹتے ہیں مثلِ کبوتر مضطر
آبرو سیرتِ اجداد کی بڑھ کر رکھ لی
مشک سقائے سکینہ نے کمر پر رکھ لی

مشک اُٹھائے تھا جو پوتا وہ ابو طالب کا سب کی نظروں میں پھرا موسمِ حج کا نقشا
وہ سقایت وہ حرم اور وہ اِن کے دادا وہ پیمبر کے چچا، یہ علی اکبر کے چچا
ظلم ہے اب بھی اگر اُن کو کُنشتی کہیے
اس عمل کا ہے تقاضا کہ بہشتی کہیے

محوِ الطاف جو تھا ساقیٔ کوثر کا پسر یاورِ شہ بھی دیے جاتے تھے پیہم ساغر
رونق افروز تھے کرسی پہ شہِ جن و بشر شہ کے قدموں پہ گرا دوڑ کے اک تشنہ جگر
عرض کی دل پہ مرے خنجرِ غم چلتا ہے
ساقیا جام عطا کر کہ جگر جلتا ہے

روبرو شاہ کے رکھے تھے لبالب کئی جام
حکم فرمایا اشارے سے کہ پی لے ناکام
بڑھتے ہی ضعف سے غش کھا کے گرا تشنہ کام
مضطرب ہو کے اٹھے آپ شہنشاہِ انام
ہاتھ سے کھول کے لب، منہ میں چوایا پانی
دستِ فیاض سے خود شہ نے پلایا پانی

دوستوں جو مصیبت سے چھڑا دیتے ہیں
جاں بلب ہوتے ہیں جو ان کو جلا دیتے ہیں
اپنا غم فکر میں غیروں کی بھلا دیتے ہیں
اس عنایت کی یہی اُن کو سزا دیتے ہیں
ایک قطرہ بھی دمِ تشنہ دہانی نہ دیا
تین دن فاطمہ کے لال کو پانی نہ دیا

آب پی کر ہوئے شاداب جو حر کے احباب
سیر چشموں کی عطا سے ہوئے گھوڑے سیراب
فرضِ خدمت کو ادا کر کے چلے فیض مآب
جذبۂ خیر عمل شاہ کی تھامے تھا رکاب
توسنِ شہ جو بڑھا شیر کو لڑکا حر نے
یہ جسارت تو سنو خضر کو روکا حر نے

عرض کی اور کسی سمت نہ جانا ہوگا
قافلہ شہ کا سوئے شام روانا ہوگا
بولے شبیر کہ تنہا ہمیں جانا ہوگا
مفت یہ خون بہانے کا بہانا ہوگا
خوف کس کا ہے کہ جانِ اسد اللہ رکے
کوئی منزل ہے جو یاں فاطمہ کا ماہ رکے

اس جسارت پہ تھی عباس کو پھر تاب کہاں
غیظ میں بھر کے ڈکارے صفت شیر ژیاں
ہائیں یہ خیر گئی دبے ادبی او ناداں
تیرا ہاتھ اور سمندِ شہ ذی شاں کی عناں
سامنا کس کا ہے اس کا بھی تجھے پاس نہیں
انگلیاں کاٹ نہ دی ہوں تو میں عباس نہیں

تیرا یہ منہ کہ کرے جانِ علی سے یہ کلام
تیری یہ تاب کہ ہو سدِ رہ شاہِ انام
سورما کتنا ہے تو ہم بھی تو دیکھیں ناکام
اب تو گستاخ ذرا آنکھ اٹھا سوئے لجام
کیوں رہِ حق میں پیمبر کا نواسہ رک جاتے
غیر ممکن ہے کہ واجب کا ارادہ رک جاتے

کس کے منہ چڑھتے ہیں کچھ دل میں نہ سوچا سمجھا — وارثِ کلمۂ توحید کو تنہا سمجھا
شام والوں کی طرح کیا کوئی بودا سمجھا — ہم بھی سمجھیں گے تجھے تو نے ہمیں کیا سمجھا
حیدری شان سے تیور جو بدل جائیں ابھی
توڑ کر قلعۂ گردوں کو نکل جائیں ابھی

حق کی تلواروں میں کوئی سپر روک تو لے — گرز شمشیر سناں تیر تبر روک تو لے
سورما شیرِ جری، اہلِ جگر روک تو لے — ہاتھ کٹوا دوں مرا ہاتھ مگر روک تو لے
میرے ان بازوؤں میں زورِ یداللہ کا ہے
میرے سینے میں کلیجہ اسداللہ کا ہے

اک رسالے کے بھروسے پہ یہ زعم اور یہ اُمنگ — جم بھی سکتا ہے کوئی اپنے مقابل دمِ جنگ
گر اُٹھے غیظ میں تیغِ نگہِ صاعقہ رنگ — ہمرہ شیرِ فلک گاوِ زمیں ہو چورنگ
نام کوفے کا مٹے۔ شام کی شامت آئے
صور کا دم ہو فنا، اور قیامت آئے

حر نے کی عرض کہ ہے حکم کا بندہ یہ غلام — مجھ سے ناراض نہ ہوں بازوئے سلطان انام
حکمِ شاہی ہے کہ دربار میں حاضر ہوں امام — عذر ہو کچھ تو حراست ہے پھر اس کا انجام
میں خطاوار ہوں خود سے جو کوئی بات کہوں
حکم حاکم ہے اسے مرگِ مفاجات کہوں

برہمی اور بڑھی سنتے ہی حر کا یہ بیاں — تن کے گونجا اسدِ بیشۂ شاہِ مرداں
حاکمِ شام کے محکوم نہیں شاہِ زماں — کام کیا ہم ہیں خود کام سے کیوں جائیں وہاں
بے حیا مجلسِ مے خوار میں ہم جائیں گے
سر بھی جائے تو نہ ہرگز یہ قدم جائیں گے

جا کے حاکم کو سنا دے یہ ہمارا پیغام — اس کی تابع تو نہیں ہے کوئی مرضیِ امام
حاکمِ شرع پر اس کے نہ چلیں گے احکام — اس قدر جامے سے باہر نہ ہو ننگِ اسلام
نشۂ بادۂ نخوت کی خبر آج ملی
مل گئی شام تو گویا شبِ معراج ملی

بے خطا اپنے کو سمجھا ہے جو او خانہ خراب — کی نہیں بے ادبی تو نے ابھی دے تو جواب
رہبرِ شرع سے یہ کج روی طرزِ خطاب — کون سی راہ سے روکی ہے بھلا راہِ صواب
کیا رسالے سے ترے وارثِ قرآن رکیں
چیونٹیاں مورچے باندھیں تو سلیمان رکیں

کیا ہمیں لے گا حراست میں بھلا وہ اظلم — بند ہوتے ہیں کہیں عقدہ کشائے عالم
خضر کی راہ میں آئیں گے جو اربابِ ستم — بوترابی ہیں ملا دیں گے انہیں خاک میں ہم
دب نہیں سکتے جو ارماں ہوں نکلنے والے
کس سے رکتے ہیں رہِ شوق میں چلنے والے

غیظ میں گونج رہا تھا جو علی کا صفدر — ہاشمی شیر تھے باندھے ہوئے نصرت پہ کمر
قاسم و اکبرِ غازی کے وہ بگڑے تیور — ہاتھ قبضوں پہ۔ نظر حر پہ۔ شکن ماتھے پر
اس پہ جا پڑتے دلاور کوئی کب مانع تھا
شاہ کا رعب۔ تو عمو کا ادب مانع تھا

زیرِ لب کہتے تھے یہ پیس کے دانتوں کو دلیر — حر ہے کیا مال جو مرحب ہو تو ہم کر دیں زیر
تھا یہ اکبر کا سخن ایسا کہاں کا ہے یہ شیر — میرے اک وار میں ہو جائے ابھی خاک کا ڈھیر
رستمِ وقت ہو یا عمرو کا یہ ثانی ہو
ایک تکبیر میں اکبر کی، جگر پانی ہو

ڈال کر ماتھے پہ بل کہتے تھے یہ ابنِ حسن — اس کی کیا اصل ہے، دیں اذن اگر شاہِ زمن
ہم دکھائیں ابھی اندازِ شہ قلعہ شکن — پیس دیں مثلِ حنا دم میں تہمتن کا بدن
وہ ہمیں ہیں جو لڑائی کے چلن جانتے ہیں
موت کو بیاہ، شہادت کو دلھن جانتے ہیں

آستیں الٹے ہوئے زینبِ ذیجاہ کے لال — کہتے تھے ہونٹ چبا کر یہ بصد جاہ و جلال
چھوٹے ماموں کے مقابل ہو یہ حر کی ہے مجال — ان کے شاگرد ہیں ہم۔ ہم سے کرے بڑھ کے جدال
رقص کرتے ہوئے خوں میں ابھی لاشے دیکھے
پہلے لڑکوں کی لڑائی کے تماشے دیکھے

غیظ ان سب کے جو حر دیکھ رہا تھا ہر بار　　عرض کرتا تھا کہ مجکو نہیں اذنِ پیکار
ہاں مگر پاؤں بڑھانا ہے یہاں سے دشوار　　باگ ہتوانس کے عباس پکارے ہشیار
یہ تجھے ضد ہے تو اب شاہِ امم جاتے ہیں
بڑھ کے تُو روک تو لے دیکھ یہ ہم جاتے ہیں

دیکھ کر بھائی کا یہ غیظ پکارے شبیر　　روک سکتا ہے تمہیں کون بجز رب قدیر
کام لو صبر سے لیکن پسرِ خیبر گیر　　صبر زہرا کی ہے میراث ۔ علی کی جاگیر
یہ تو پہلا ہے قدم دُور ابھی جانا ہے
جس پہ مامور ہیں وہ اَمر بجا لانا ہے

سن کے یہ رہ گیا سر کو جھکا کر ضرغام　　حُر کی جانب متوجہ ہوئے آقائے انام
ڈال دیں آنکھوں میں آنکھیں جو بہ اندازِ امام　　ہم سخن حُر سے ہوا غیب ، بطورِ الہام
لبِ توفیق نے جتنے بھی سوالات کیے
مُنقلب اُن کے جوابوں نے خیالات کیے

شاہ زہرا کے پسر ہیں کہ نہیں ؟ بولا ہیں　　نفسِ احمد کے جگر ہیں کہ نہیں ؟ بولا ہیں
وارثِ خیر بشر ہیں کہ نہیں ؟ بولا ہیں　　نیک دل پاک نظر ہیں کہ نہیں ؟ بولا ہیں
تیرے حاکم میں یہ اوصاف ہیں بولا کہ نہیں
رجس سے قلب و نظر صاف ہیں بولا کہ نہیں

شہ نے روزہ کوئی چھوڑا ہے ؟ یہ بولا کہ نہیں　　منہ کبھی سجدے سے موڑا ہے ؟ یہ بولا کہ نہیں
دل کسی شخص کا توڑا ہے ؟ یہ بولا کہ نہیں　　خونِ حرمت کا نچوڑا ہے ؟ یہ بولا کہ نہیں
تیرے حاکم میں ہیں یہ عیب ؟ کہا بے شک ہیں
اور بھی عیب ہیں لاریب ؟ کہا بے شک ہیں

شہ میں ہے کوئی برائی ؟ یہ پکارا کہ نہیں　　حُرمتِ شرع گنوائی ؟ یہ پکارا کہ نہیں
دین پر ضرب لگائی ؟ یہ پکارا کہ نہیں　　ظلم کی تیغ اٹھائی ؟ یہ پکارا کہ نہیں
تیرے حاکم میں یہ باتیں ہیں ؟ کہا اس نے کہ ہیں
اور کچھ ایسی ہی گھاتیں ہیں ؟ کہا اس نے کہ ہیں

شہ گناہوں میں گرفتار ہیں ؟ بولا کہ نہیں
ترکِ واجب کے خطا دار ہیں ؟ بولا کہ نہیں
بدعقیدت ہیں، زبوں کار ہیں ؟ بولا کہ نہیں
بنتِ آدم کے گنہگار ہیں ؟ بولا کہ نہیں
تیرا حاکم بھی ہے زد میں کہ نہیں ؟ بولا ہے
ہے وہ ستّو دُرّوں کی حد میں کہ نہیں ؟ بولا ہے

شہ کے ایماں میں خلل ہے ؟ یہ پکارا کہ نہیں
نیتِ خیر میں بَل ہے ؟ یہ پکارا کہ نہیں
بزم میں مکر و دَغل ہے ؟ یہ پکارا کہ نہیں
مئے گلگوں کا عمل ہے ؟ یہ پکارا کہ نہیں
تیرے حاکم میں یہ سب ہے کہ نہیں ؟ بولا ہاں
پھر تو اے دوست غضب ہے کہ نہیں ؟ بولا ہاں

حر کی جانب نگراں تھے جو شہ فیض مآب
شرمگیں ہو کے یہ چپکے سے کیا اس نے خطاب
یہ فقط فوج کے دکھلانے کی باتیں ہیں جناب
آپ پھر جائیں مدینے کو تو ہے عین صواب
مشورے شر کے ہیں، نیت میں فتور آئے ہیں
اور ہی رنگ ہے جس دن سے حضور آئے ہیں

آج کی رات یہیں کیجیے رک کر آرام
آپ سے دُور بپا کرتا ہوں میں اپنے خیام
پردۂ شب میں چلے جائیں کسی سمت امام
مستعد خون بہانے پہ ہیں یہ ساکنِ شام
ہو جو مُہلت تو کہوں غم کا فسانہ مولا
مختصر یہ ہے کہ دشمن ہے زمانہ مولا

کیا کہوں آپ سے عزمِ نجس حاکمِ شام
یہ ارادے ہیں کہ ہو کام شریعت کا تمام
آل کے خون سے رنگیں ہو قبائے اسلام
عترتِ فاطمہ زہرا کا مِٹے خلق سے نام
ذکرِ بیعت میں نہاں قتل کی تدبیریں ہیں
ایک گردن کے لیے سیکڑوں شمشیریں ہیں

حر کی یہ مصلحت آمیز سُنی جب تقریر
شب میں ٹھہرے اُسی جنگل میں جنابِ شبیر
صبح سے پہلے کیا کوچ، توکّل بہ قدیر
لے گیا کھینچ کے تربت کی طرف جوشِ خمیر
جس جگہ آ کے کبھی کوئی نہ دل شاد ہوا
چمنِ فاطمہ اس دشت میں آباد ہوا

بولے عباس دلاور سے شہ جن و بشر
واہ کیا خوب یہ خطہ ہے عزیمت پرور
یہ فضا دشت کی یہ نہر بسانِ کوثر
لطف آجائے جو ساحل پہ بنے آپ کا گھر
کتنی پیاری یہ جگہ ہے مرے پیاروں کے لیے
ہم خریدیں گے اسے اپنے مزاروں کے لیے

دیکھیے مُڑ کے اُدھر اکبر و قاسم کو ذرا
کھا رہے ہیں وہ ہوا کھولے ہوئے بندِ قبا
پھول ہیں زینب و مسلم کے شگفتہ کیا کیا
کس قدر بھائی ہے شیروں کو سُہانی یہ فضا
بوئے اُنس آتی ہے سب پھولوں سے اور خاروں سے
نرخ طے کیجیے بستی کے زمینداروں سے

سُن کے آقائے جہاں کا سخنِ وحی اساس
سب زمینداروں کو لے آئے بُلا کر عباس
حاضرِ خدمتِ اقدس جو ہوئے رُتبہ شناس
دی جگہ خُلقِ مجسم نے انھیں اپنے پاس
بولے شفقت سے عنایت کے طلبگار ہیں ہم
یہ تمہاری ہے زمیں ؟ اس کے خریدار ہیں ہم

یکزباں ہو کے انہوں نے یہ کیا شہ سے خطاب
ہم تو خدام ہیں ، مالک ہیں شہ فیض مآب
کی ادا قیمتِ مطلوب یہ سنتے ہی شتاب
پھر ہبہ کر دی یہ کہہ کر وہ زمینِ شاداب
بھائیو اور بھی کچھ مانگو تو انکار نہیں
چند قبروں کے سوا کچھ ہمیں درکار نہیں

جب یہ بانو نے سنا شہ نے خریدی ہے زمیں
رو کے بولیں کہ نہ اب جائیں گے گھر کو شہ دیں
علی اکبر مری صغرا کو بھی لے آؤ یہیں
مر نہ جائے یہ خبر سن کے وہ بیمار حزیں
آپ بھی بھائی کی خدمت میں گزارش کیجے
بی بی زینب مری بچی کی سفارش کیجے

ذکرِ صغرا یہ حرم میں جو مچا اک کہرام
رو دیا جھولے میں بے شیر بھی سنتے ہی یہ نام
مسندِ پاک سے گھبرا کے اٹھے شاہِ انام
اُن زمینداروں سے بولے دمِ رخصت یہ امام
خود ہیں نادار و مسافر تمہیں کیا دیں گے ہم
اک کرم اور کرو گے تو دعا دیں گے ہم

سب وہ بولے بہ ادب حکم تو فرمائیں امام
آہ بھر کر یہ پکارا پسرِ خیرِ انام
چند ہی روز ہے اس دیس میں بیکس کا قیام
ذبح ہو جائیں گے عشرے کو یہاں سب سرِ شام
منحرف ہم سے جو غربت میں زمانہ ہوگا
قافلہ پیاسوں کا جنت کو روانہ ہوگا

میرے انصار کا بہہ جائے گا مقتل میں لہو
ماؤں کے سامنے سر کاٹیں گے بچوں کا عدو
نیزہ کھائے گا کلیجے پہ کوئی آئنہ رُو
کاٹے جائیں گے لبِ نہر کسی کے بازو
اک شقی تیرِ جفا سے یہ ستم توڑے گا
میرا بے شیر مری گود میں دم توڑے گا

چادریں چھین کے ناموس کی، سفاکِ زمن
شام تک باندھ کے لے جائیں گے شانوں میں رسن
چھوڑ جائیں گے مری لاش کو بے گور و کفن
تم ترس کھا کے مسافر کا بنانا مدفن
نہ کفن مجکو نہ تابوت نہ کاندھا دینا
جس جگہ لاش پڑی ہو وہیں دفنا دینا

عورتیں آئی تھیں جو سن کے شہِ دیں کی خبر
اُن سے پھر ہو کے مخاطب یہ پکارے سرور
بی بیو مرد تمہارے نہ اِدھر آئیں اگر
ان سے کہنا یہ خدا کے لیے تم پیٹ کے سر
کوئی جس کا نہ ہو سب اس پہ ترس کھاتے ہیں
تم نہیں جاتے تو دفنانے کو ہم جاتے ہیں

وہ تو سب رونے لگیں سُن کے یہ پُر درد بیاں
بولے اطفال سے اُن کے یہ امامِ دو جہاں
آسکیں گر نہ کسی وجہ سے ماں باپ یہاں
بھیجو تم مجھے محتاج سمجھ کر احساں
کھیلتے کھیلتے یاں تک جو چلے آؤ گے
خاک اڑا کر ہی مری لاش چھپا جاؤ گے

رو کے اطفال پکارے کہ ضرور آئیں گے
مرد چلائے کہ ہم حکم بجا لائیں گے
عورتیں بولیں کہ جب تک نہ یہ دفنائیں گے
ان کو کھانا نہ کھلائیں گے نہ خود کھائیں گے
بولے شبیر خدا اس کا صلہ دے تم کو
فاطمہ کہتی تھیں اللہ جزا دے تم کو

تم مرے لال کا غربت میں بناؤ گے مزار
تم اسے روؤ گے سر پیٹ کے، زہرا ہو نثار
میں شفاعت کو تمھاری ہوں ابھی سے تیار
رو سکے گی نہ جسے ہائے بہن بھی ناچار
بیکس و مضطر و دلگیر کے رونے والو
السلام اے مرے شبیر کے رونے والو